اردو مثنوی کا ارتقا

دکن میں

اردو ادب کی ترقی اور نشو و نما میں دکن کا بڑا حصّہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اردو زبان نے شمالی ہندوستان میں جنم لیا۔ خسرو نے اس زبان میں شاعری کر کے اس کا رتبہ بلند کیا۔ ان کی پہیلیاں اور کہہ مکرنیاں طویل نظم اور مثنوی کی بنیاد بن سکتی تھیں مگر ایسا نہ ہو سکا اور خسرو کے بعد شمالی ہندوستان میں سناٹا سا چھا گیا۔ وہ عوامی زبان جو دن رات پروان چڑھ رہی تھی ایک عرصے تک شاعری سے ناآشنا رہی، مگر دکن میں معاملہ اس کے برعکس تھا۔ وہاں دیسی اور ملکی زبان بادشاہوں سے لے کر عام آدمیوں تک سب کے دلوں کی دھڑکن بنی ہوئی تھی اور سبھی اس کی ترقی میں کوشاں تھے۔ یہی بات چیت کا ذریعہ تھی اور یہی شعر و ادب کی زبان!

دکن کی آزاد ریاستوں میں گولکنڈہ اور بیجاپور دو خوشحال ریاستیں تھیں۔ پہلی میں قطب شاہیوں کی حکومت تھی اور دوسری میں عادل شاہیوں کی اور دونوں ہی اہل کمال کی سرپرستی اور قدردانی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے کوشاں تھیں۔ بعض بادشاہ خود بھی شاعر تھے اور نظم و غزل کے سوا انھوں نے چھوٹی چھوٹی مثنویاں بھی لکھیں۔

دکن کے ابتدائی دور کی سب سے اہم مثنوی "خوب ترنگ" ہے۔ اس کے مصنف خوب محمد چشتی ہیں۔ یہ ایک طویل مثنوی ہے اور اس میں اخلاق و تصوف کی تعلیم دی گئی ہے۔ زبان نامانوس ہے اور بعض جگہ تو بہت مشکل ہو گئی ہے ــــــ نصیحتوں کو دلچسپ اور سبق آموز بنانے کے لیے ساری مثنوی چھوٹے چھوٹے قصوں اور کہانیوں سے بھری پڑی ہے۔

Scanned by TapScanner

مقیمی کی مثنوی چندر بدن کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔

غواصی کی سیف الملوک و بدیع الجمال بھی اسی دور کی مثنوی ہے۔ اسے اور بھی زیادہ شہرت حاصل ہوئی بلکہ مقیمی نے اسی مثنوی کو سامنے رکھ کر اپنی مثنوی لکھی۔

کمال خاں رستمی کی مثنوی ذرا عام روش سے ہٹ کر لکھی گئی۔ ان کی مثنوی کا نام خاور نامہ ہے۔ اس مثنوی میں حضرت علی کے اوصاف اور کارنامے بیان ہوئے ہیں۔ یہ مثنوی بہت طویل ہے اور اس میں چوبیس ہزار اشعار ہیں۔

علی عادل شاہ ثانی شعر و ادب اور دیگر فنون کا بہت قدردان تھا۔ اس کے دربار میں کئی بڑے شاعر جمع تھے۔ نصرتی علی عادل شاہ ثانی کے دربار کا ملک الشعرا تھا۔ وہ دو زبردست مثنویوں کا خالق تھا۔ یہ مثنویاں ہیں علی نامہ اور گلشن عشق۔ علی نامہ تاریخی رزمیہ ہے۔ علی عادل شاہ ایک طرف مغل بادشاہوں سے لوہا لیتا رہا تو دوسری طرف شیوا جی سے۔ مثنوی علی نامہ انہی کارناموں اور جنگوں کا حسین اور دلکش بیان ہے۔ نصرتی کی دوسری مثنوی گلشنِ عشق بزمیہ مثنوی ہے۔ اس میں حسن و عشق کے معاملات بڑی نفاست اور خوبصورتی کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ نصرتی بہت بڑا شاعر گزرا ہے۔ اسے قصیدہ کہنے میں بھی بڑی مہارت حاصل تھی۔ اس لیے وہ مثنویوں میں بھی جا بجا پُر شکوہ انداز اختیار کرتا ہے۔ اس کا شمار بڑے استادانِ فن میں ہوتا ہے۔ مثنویوں میں اکثر وہ ڈرامائی انداز اختیار کرتا ہے اور جزئیات کو بڑی مہارت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ مکالمہ نگاری میں بھی اسے بڑا کمال حاصل ہے۔

ہاشمی ایک نابینا شاعر گزرا ہے۔ اس کا شمار بھی قدیم اردو کے زبردست شاعروں میں ہوتا ہے۔ اس کی مثنوی یوسف زلیخا کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

وجہی کی مثنوی قطب مشتری بھی بہت اہم مثنوی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کو ایک رقاصہ بھاگ متی سے عشق تھا۔ اسی کا قصہ اس مثنوی کا موضوع ہے۔ اس مثنوی میں بھاگ متی کو مشتری کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ مثنوی صرف بیس دن میں مکمل کی گئی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بھاگ متی کی برسی قریب تھی اور اس موقع پر یہ مثنوی پیش کر کے وجہی بادشاہ کو خوش کرنا چاہتا تھا تاکہ اسے انعام سے نوازا جائے۔ مثنوی خدا کی حمد سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد عشق کی تعریف کی گئی ہے اور اس کے فوراً بعد یہ بتایا گیا ہے کہ اچھے شعر میں کیا خوبیاں ہونی چاہئیں۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ اچھے شعر کے لیے سلاست اور روانی ضروری ہے۔

غواصی اور ابن نشاطی بھی دو بلند پایہ مثنوی نگار گزرے ہیں۔ ان کے نام بھی ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ غواصی کی مثنوی "سیف الملوک اور بدیع الجمال" ہے۔ اس مثنوی میں دو ہزار شعر ہیں۔ اس کا قصہ الف لیلہ سے لیا گیا ہے۔ اس کی زبان بہت صاف اور دل نشیں ہے۔ اس مثنوی کے اندر ساری خوبیاں موجود ہیں اور اسے بہترین شاعری قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس مثنوی کی بدولت غواصی کی شہرت اس کی زندگی ہی میں دور دور تک پھیل گئی تھی۔

ابن نشاطی بھی غواصی ہی کے زمانے کا شاعر ہے۔ اس کی مثنوی "پھول بن" کو بھی شہرت دوام حاصل ہوئی۔ طبعی کی مثنوی "بہرام اور گل اندام" بھی بہت مشہور ہوئی۔ اس کے بعد غلام علی نے ملک محمد جائسی کی پدماوت کا ترجمہ اردو میں نظم کیا۔ اس کی مثنوی بہت بلند پایہ تو نہیں مگر اس کی ایک تاریخی اہمیت ضرور ہے۔

اس کے بعد دکن کی آزاد ریاستوں کا خاتمہ ہو گیا۔ شعر و شاعری کا سلسلہ مغل دورِ حکومت میں بھی چلتا رہا اور مثنویاں بھی لکھی جاتی رہیں۔ چنانچہ ولی ویلوری نے مثنوی "روضۃ الشہدا" لکھی۔ اشرف نے "جنگ نامہ" میں حضرت علی کی فتوحات اور جنگوں کا بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ ذکر کیا۔ بحری نے "من لگن" اور وجدی نے "پنچھی باچھا" لکھی۔ یہ دونوں صوفیانہ مثنویاں ہیں۔ پھر ولی جیسا عظیم شاعر پیدا ہوا مگر اس کا اصل میدان غزل تھا۔ البتہ سراج نے متعدد مثنویاں لکھیں۔ ان میں چھ سات مثنویاں تو بہت مختصر ہیں مگر اس کی لازوال مثنوی "بوستان خیال" ہے جسے دکنی شاعری کا شاہکار قرار دیا جا سکتا ہے۔ کوئی دکنی مثنوی اس کے رتبے کو نہیں پہنچتی۔ یہ مثنوی شاعرانہ کمالات کا مجموعہ ہے۔ زبان بھی بہت رواں اور دلکش ہے۔ مناظر کے مصورانہ بیان جا بجا نظر آتے ہیں۔ جذباتِ انسانی کی عجیب و غریب مرقع کشی اس مثنوی میں ملتی ہے۔ مثنویاں اس کے بعد بھی لکھی گئیں مگر دکنی مثنوی کا خاتمہ بوستان خیال پر ہی سمجھنا چاہیے۔

حالی نے صنفِ مثنوی کی بہت تعریف کی ہے اور اسے سب سے کارآمد صنف بتایا ہے۔ اس کسوٹی پر پرکھا جائے تو دکنی شاعری کا پلّہ بھاری نظر آتا ہے اور اس کا دامن مثنویوں سے گرانبار دکھائی دیتا ہے۔ دہلی اور لکھنؤ میں جتنی اردو مثنویاں کل لکھی گئیں اس سے کہیں زیادہ سو سال کی مدت کے اندر دکن میں لکھی گئیں۔ اردو کی طویل مثنویاں بھی دکن ہی کی دین ہیں۔ رزمیہ مثنویاں تو خاص طور پر

دکن ہی میں لکھی گئیں۔ ان میں سے اکثر مثنویوں میں سادگی ہے اور انداز بیان فطری۔

مختصر یہ کہ دکنی مثنویاں اردو شاعری کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔

Scanned by TapScanner